**Urdu Studies**
An international, peer-reviewed, bilingual research journal
ISSN: 2583-8784 (Online)
Vol. 6 │Issue 1 │Year 2026
Pages: 1-9

# اداریہ

## ارشد مسعود ہاشمی

اردو ادب کی عصری معنویت اس کی تخلیقی توانائی کے ساتھ اس کی اس صلاحیت میں بھی مضمر ہے کہ وہ اپنے عہد کے تاریخی، تہذیبی اور فکری تجربات کو نئے زاویوں سے دیکھنے کے امکانات پیدا کرتی ہے۔ اس کے تخلیقی اور تنقیدی سرمایے کو عالمی علمی مباحث سے مربوط کرنے کے لیے معیاری تحقیق، سنجیدہ ترجمے اور بین العلومی مطالعے کی ضرورت مسلسل بڑھتی جا رہی ہے۔ لیکن اس عمل میں اردو متون کی لسانی نزاکت، تہذیبی اختصاص اور فکری خود مختاری کا تحفظ بھی اتنا ہی اہم ہے۔ ادب اپنے عہد کے سماجی و تہذیبی تجربات کو محفوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے ان پہلوؤں کو بھی روشن کرتا ہے جو وقت گزرنے کے باوجود اپنی معنویت نہیں کھوتے۔ اردو اسٹڈیز کے زیر نظر شمارے میں ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اردو ادب کی اسی ہمہ جہت معنویت کو مختلف تخلیقی، تنقیدی اور تاریخی زاویوں سے دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں ادیبوں کی شخصیت اور فن، افسانے کی سماجی بصیرت، ادبی روایت کی بازیافت، تہذیبی تکثیریت اور ترجمے کے امکانات جیسے موضوعات ایک دوسرے سے مربوط ہو کر اردو ادب سے متعلق علمی مباحث کی وسعت اور تنوع کو نمایاں کرتے ہیں۔

تہذیبی تکثیریت اور مختلف فکری روایتوں کے باہمی روابط کا موضوع ہمارے لیے ہمیشہ اہم رہا ہے۔ اس شمارے کے مقالات، تبصرے اور تراجم موضوعاتی تنوع کے ساتھ اسی تنقیدی اور تحقیقی

ISSN: 2583-8784 (Online)
Formely UGC-CARE Listed since October 2021
Published on October 23, 2026
http://www.urdustudies.in
https://creativecommons.org/licenses/by-nc-nd/4.0/

رویے کی عکاسی کرتے ہیں۔ نو آبادیاتی تجربے، انسانی شناخت، صوفیانہ روایت، کلاسیکی شاعری اور ماحولیاتی شعور سے متعلق مقالے، ترجمے اور تبصرے ادب کے عالمی تناظر سے اردو ادب کے تعلق کو نمایاں کرتے ہیں۔ امید ہے کہ زیر نظر تحریریں قارئین کو مانوس ادبی روایتوں پر نئے زاویوں سے غور کرنے، مختلف ثقافتوں کے درمیان بامعنی مکالمے کو فروغ دینے اور اردو ادب کے وسیع تر امکانات کو دریافت کرنے کی ترغیب دیں گی۔

شمارے کی ابتدا جیلانی بانو، بشیر بدر اور حسن منظر کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ان کے سلسلے میں بالترتیب شمع عسکری، مازیہ شاذ اور یوسف ایاز کی تعزیتی تحریروں سے کی گئی ہے۔ شمع عسکری کی تحریر میں حسن منظر کی ادبی خدمات کے ساتھ ان سے وابستہ ذاتی یادیں بھی محفوظ ہیں۔ مازیہ شاذ نے صراحت کی ہے کہ جیلانی بانو کے افسانوی شعور میں حیدرآباد کا سماجی و تہذیبی ماحول، طبقاتی ناہمواری اور عورت کے مسائل نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ یوسف ایاز کا خیال ہے کہ بشیر بدر کی شاعری کا امتیاز پیچیدہ جذبات و احساسات کو سادگی، شگفتگی اور مانوس اسلوب میں پیش کرنے کا ہنر ہے۔ ان کی جمالیاتی حس اور اسلوبیاتی مہارت نامانوس تجربات کو بھی اس طرح قابل فہم اور دل نشیں بنا دیتی ہے کہ وہ قاری کے ذاتی احساس کا حصہ بن جاتے ہیں۔

مقالوں کی ابتدا پروفیسر مرسیا ہرمینسن کی تحریر سے کی گئی ہے۔ اس میں جنوبی ایشیا کی فارسی اور اردو تذکرہ نگاری میں یادداشت، شناخت اور مقام کے باہمی رشتوں پر صوفیانہ روایت کے حوالے سے توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ پروفیسر ہرمینسن نے تذکروں کو محض سوانحی معلومات کا ذخیرہ نہیں، بلکہ اجتماعی حافظے اور تہذیبی شناخت کی تشکیل میں حصہ لینے والی تحریر کہا ہے۔ اس طرح ماضی کی ادبی و روحانی شخصیات کی یاد، ان سے وابستہ مقامات اور ان کے بارے میں قائم ہونے والے بیانیوں کی معنویت مزید نمایاں ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر اجیت پردھان پیشے سے ہارٹ سرجن ہیں۔ ان کے مضمون میں اردو اور فارسی شاعری میں کوہ طور کے استعارے کی معنوی تشکیل کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ امیر خسرو، بیدل، غالب، جگر مرادآبادی اور اقبال سمیت متعدد شعرا کے حوالے سے وہ انسانی شعور، عشق اور ذات مطلق کے تعلق

کی مختلف تعبیرات پیش کرتے ہیں۔ اس قرات میں کوہ طور ایک مذہبی واقعے کی علامت ہونے کے ساتھ انسانی ادراک کی حدود اور ان سے آگے بڑھنے کی آرزو کا استعارہ بھی بن جاتا ہے۔ بقول مصنف، مختلف شعرا کے ہاں اس تصور کی تبدیلیاں اردو کی کلاسیکی شاعری کی فلسفیانہ گہرائی اور معنوی امکانات کو اجاگر کرتی ہیں۔

شمارے میں پروفیسر مہر افشاں فاروقی کے زندگی نامے کی پہلی قسط شامل ہے۔ اس میں غالب کے قلمی دیوانوں کے حوالے سے مخطوطات کی بازیافت اور ادبی ورثے کے تحفظ کی اہمیت اجاگر کی گئی ہے، ساتھ ہی کلاسیکی اردو غزل میں عشق، ہجر، درد اور لذت احساس کی جمالیاتی معنویت بھی نمایاں کی گئی ہے۔ دل اور جگر کی علامتی حیثیت کا جائزہ لیتے ہوئے دل کو خود شناسی اور تجلی الٰہی، جب کہ جگر کو حیات اور عشق کی شدت کا استعارہ قرار دیا گیا ہے۔ بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ شاعری محض جذبات کا اظہار نہیں، بلکہ ان کے جمالیاتی تجربے اور ذاتی احساس کو آفاقی معنویت عطا کرنے کا وسیلہ ہے۔

شبیر احمد شاہ نے آغا شاہد علی اور شیو کے کمار کے ذریعہ کیے گئے فیض احمد فیض کے انگریزی ترجموں کے تقابلی مطالعے کو اپنے مقالے کا موضوع بنایا ہے۔ منتخب نظموں کے تقابلی مطالعے میں لفظی اور تفسیری ترجمے، شعری ہیئت، سیاسی و سماجی معنویت اور ثقافتی سیاق کی منتقلی جیسے مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ مقالے سے وضاحت ہوتی ہے کہ مترجم کے انتخاب اور اسلوب سے شاعر کی آواز کی نئی تشکیل ہوتی ہے؛ چنانچہ ترجمہ محض لسانی منتقلی نہیں، بلکہ اصل تخلیق اور نئی ثقافت کے درمیان ایک تخلیقی مکالمے کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔

عارف الرحمن ملا کے مقالے میں سعادت حسن منٹو اور پیغام آفاقی کی منتخب تخلیقات کو مابعد نو آبادیاتی نظریات کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ Hybridity, Mimicry اور The Third Space of Enunciation کے ہومی کے بھابھا کے تصورات، ایڈورڈ سعید کی تنقید استشراق اور فرانز فینن کے نو آبادیاتی تشدد اور نو آبادیات سے نجات کے مباحث کی مدد سے مقالہ نگار نے یہ واضح کیا ہے کہ ان ادیبوں کی تحریریں نو آبادیاتی ورثے، فرقہ وارانہ تقسیم، حکومتی جبر

اور اقتدار کی نئی صورتوں سے کس طرح نبرد آزما ہوتی ہیں۔ اس مطالعے میں ادب سیاسی و تاریخی تجربات کے انسانی مضمرات کو سمجھنے کا وسیلہ بن کر سامنے آتا ہے۔

شمارے میں ترجموں کا ایک قابل قدر حصہ شامل ہے۔ اردو کی ادبی روایت، اس کے تاریخی حافظے اور تنقیدی مطالعے سے متعلق تراجم کے ذریعے اردو ادب کے مطالعے کو نئے لسانی اور ثقافتی دائروں تک پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔

شمع عسکری نے حسن منظر کے ناولٹ وبا کا ترجمہ قلمبند کیا ہے جسے انھوں نے حسن منظر کی رہنمائی میں ہی شروع کیا تھا۔ گذشتہ برسوں پھیلی وبا سے بہت پہلے لکھے گئے اس ناولٹ کا قصہ تقسیم کے بعد کے ایک سرکاری اسپتال اور اس سے وابستہ افراد، ڈاکٹروں، نرسنگ اسٹاف، منتظمین، مریضوں اور ان کے تیمارداروں کی زندگیوں کے ارد گرد گھومتا ہے۔ شمع لکھتی ہیں کہ اس کا بیانیہ دو زمانی سطحوں پر نہایت فن کارانہ انداز میں آگے بڑھتا ہے: ایک طرف اسپتال کی ایک دن کی زندگی، یعنی ناشتے، دوپہر کے کھانے اور رات کے کھانے کے اوقات؛ اور دوسری طرف ان اوقات کے اندر آشکار ہونے والی ڈاکٹروں اور مریضوں کی ذاتی زندگیاں۔ فوجی آمریت کے پس منظر میں لکھا گیا یہ ناولٹ ظریفانہ اسلوب میں، اور گہری حساسیت کے ساتھ مقتدر طبقے اور عوام کے باہمی رشتوں اور حاکم و محکوم کے درمیان پیچیدہ تعلقات کو بے نقاب کرتا ہے۔

مادھوی گپتا نے ایک نامعلوم مصنف کی افسانوی تحریر قصۂ عورت ڈلہ کا انگریزی ترجمہ پیش کیا ہے۔ تعارفی حصے میں اردو کی قصہ نگاری کی روایت اور اس کے فنی و لسانی امتیازات کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ قصے اور داستان کے باہمی تعلق، زبانی روایت سے تحریری صورت تک کے ارتقا، اور اس کی موضوعاتی تقسیم پر گفتگو کرتے ہوئے مادھوی کا تعارفی حصہ ہیرو کی مہم جوئی، عشق اور جنسی تجربات جیسے موضوعات کو بھی نمایاں کرتا ہے۔ قصے کے حمدیہ آغاز کی روایت اور اس کے مذہبی و تہذیبی مضمرات کے ساتھ فارسی الفاظ کے کثرت استعمال کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔

پروفیسر سمیع رفیق کا ترجمہ انگریزی دانوں کے حلقے کو راشد انور راشد کی شاعری اور ادبی خدمات سے متعارف کراتا ہے۔ انھوں نے راشد کے مجموعے دھوپ ایسی تو نہیں تھی پہلے میں شامل

صفدر امام قادری کے مقدمے، اور راشد کی منتخب نظموں کا ترجمہ قلمبند کیا ہے۔ راشد کی تخلیقی جہات میں ماحولیاتی شاعری خاص اہمیت رکھتی ہے۔ پروفیسر رفیق کا خیال ہے کہ اس ترجمے سے اردو کے ماحولیاتی ادب کو وسیع تر قارئین تک پہنچانے میں مدد ملے گی۔ انگریزی ترجمے کا یہ منصوبہ ICSSR کی مالی معاونت سے جاری تحقیق سے وابستہ ہے، جس کا مقصد علاقائی زبانوں کے ماحولیاتی ادب کو عالمی علمی مکالمے میں شامل کرنا ہے۔

احمد عقیل سرور اور کلیر چیمبرز نے مولانا ابوالکلام آزاد کے مضمون "اک مس سیمیں بدن سے کر لیا لندن میں عقد" کا ترجمہ اور تنقیدی مطالعہ پیش کیا ہے۔ مترجمین کا تصور ہے کہ آزاد کی اس تحریر میں نوآبادیاتی جدیدیت، بین الثقافتی ذاتی تعلقات، مذہبی شناخت اور عورت کے تشخص جیسے سوالات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ مزید یہ کہ آزاد نے اکبر الٰہ آبادی اور عبدالحمید شرر کے حوالوں سے اس تحریر کو اپنے عہد کے ادبی و تہذیبی مباحث سے مربوط کر دیا ہے۔

عارف انصاری کا ترجمہ سردار جعفری کی یادداشتوں کے ذریعے ۱۹۴۱ء کے لکھنؤ کے ایک مشاعرے اور اس عہد کی ادبی فضا کی جھلک دکھاتا ہے۔ معاذ بن بلال نے حسرت موہانی کی تحریر "قید فرنگ" کا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔ اس تحریر میں حسرت کی اسیری کی روداد کے ذریعے نوآبادیاتی عہد اور موجودہ ہندوستان میں سیاسی قیدیوں کے ساتھ حکومتی و عدالتی رویوں کا تقابلی جائزہ موجود ہے۔ تعارف میں جیل کی صعوبتوں کے مقابلے میں حسرت کی استقامت، اور نوآبادیاتی اقتدار کے خلاف مزاحمت کی روشنی میں آزادی، سیاسی عزم اور برطانوی استعمار کی تاریخی باز تعبیر کو موضوع بنایا گیا ہے۔

شائق علی نے سعادت حسن منٹو کے مضمون "کسان، مزدور، سرمایہ دار اور زمیندار" کو انگریزی کا جامہ پہنایا ہے۔ مضمون کی روشنی میں مترجم کا استدلال ہے کہ منٹو نے تقسیم ہند کے المیے کو محض انسانی سفاکی کے بیان کے بجائے اس کے پس پشت سیاسی و سماجی عوامل اور انسانی انحطاط کی پیچیدگیوں کو بے نقاب کرنے کا وسیلہ بنایا ہے۔ فہد ہاشمی نے الیاس احمد گدی کا تعارف پیش کرنے کے ساتھ ہی ان کی تخلیق "ٹام جیفرسن کے پنجرے" کا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔

توصیف رضا اور مشتاق بشیر برق نے شبنم عشائی کی نظموں کو انگریزی زبان میں منتقل کر کے اردو کی معاصر تانیثی شاعری کی ایک توانا آواز کو قارئین کے وسیع تر حلقے تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

شبنم عشائی کی شاعری عورت کے داخلی تجربات، احساسات کی پیچیدگیوں، وجودی کرب اور سماجی و تہذیبی جبر کے مختلف پہلوؤں کو جس تخلیقی قوت اور فنی ندرت کے ساتھ پیش کرتی ہے، وہ اسے معاصر اردو شاعری میں ایک نمایاں مقام عطا کرتی ہے۔ امید ہے کہ یہ تراجم اردو کی تانیثی شاعری کے فکری و جمالیاتی امکانات کو انگریزی داں حلقوں تک پہنچانے میں معاون ثابت ہوں گے۔

تبصروں کے حصے میں پہلی تحریر ڈاکٹر علی حیدر کی ہے جنھوں نے ذکی نقوی کے تعارف کے ساتھ ہی ان کے افسانوں کے مجموعے دیار و دشت کے انگریزی ترجمے *Abodes and Wilderness* پر تنقیدی تبصرہ لکھا ہے۔ مبصر کا خیال ہے کہ یہ افسانوی مجموعہ محض اپنے علاقائی موضوع کی وجہ سے نہیں، بلکہ اپنی وسیع تر ادبی معنویت کے اعتبار سے بھی انگریزی قارئین تک پہنچنے کا مستحق ہے۔ اس میں موجود افسانے شہر آشوب کی روایت کو نئے تناظر میں دیکھنے اور اس کے امکانات کو از سر نو دریافت کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

انیس اشفاق کے ناول خواب سراب کے انگریزی ترجمے *Dream Mirage* پر لکھے پروفیسر محمد عاصم صدیقی کے تنقیدی تبصرے سے تخلیقی ادب کی تفہیم اور اس کی بنیاد پر تنقیدی مکالمے کو وسعت عطا کرنے کی نوعیتیں واضح ہوتی ہیں۔ انھوں نے اس خیال کا اظہار بھی کیا ہے کہ یہ ناول کئی معنوں میں امراؤ جان ادا کی یاد دلاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے جدید قارئین کو لکھنؤ کے معروف اور فراموش شدہ تاریخی مقامات سے بھی روشناس کرایا گیا ہے۔ لکھنؤ کی متنوع تہذیبی اور ادبی روایات ناول کے صفحات میں اس طرح سموئے گئے ہیں کہ شہر کا ثقافتی ماضی قاری کے سامنے مجسم ہو جاتا ہے۔ مختلف کرداروں کی باہم مربوط زندگیوں اور نئے رشتوں کے انکشاف سے ناول کی کہانی میں تجسس اور پیچیدگی پیدا ہوتی ہے۔ تاہم، راوی کا شکست خوردہ رویہ ناول کا ایک کمزور پہلو ہے۔

پروفیسر سید امتیاز حسنین نے جسٹس شمیم سیفی کے افسانوں کے مجموعے ایک ورق کے سید سرور حسین کے انگریزی ترجمے *A Leaf Unturned* پر لکھے تنقیدی تبصرے میں انسانی وجود کے اخلاقی و مابعد الطبیعیاتی سوالات، افسانوی اسلوب کی فکری و جذباتی گہرائی اور بیانیے کی تہداریوں کا جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ ترجمے کی کامیابیوں کے ساتھ اصل متن کے اسلوبیاتی لطائف، تہذیبی سیاق اور

معنوی پیچیدگیوں کی منتقلی میں درپیش دشواریوں کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔ مبصر نے شمیم سیفی کے اس مجموعے کو ایک اثر انگیز اور فکری مہمیز دینے والا مجموعہ کہا ہے۔ حسین کا ترجمہ بعض خامیوں کے باوجود ان کہانیوں کی معنوی تہداری اور اصل متن کی روح کو انگریزی قارئین تک پہنچانے کے معاملے میں کامیاب ہے۔ یہ مقالات اور تراجم اردو ادب کی فکری وسعت اور بین الثقافتی امکانات کو نمایاں کرتے ہیں۔ ان میں تاریخ اور شناخت کے سوالات، روحانی و فلسفیانہ تجربات، ماحولیات اور ترجمے کے مسائل اپنے اپنے تناظر میں زیرِ بحث آئے ہیں۔ یہ تنوع اس حقیقت کی یاددہانی بھی ہے کہ ادب کسی ایک عہد، زبان یا تہذیب تک محدود نہیں رہتا، بلکہ مختلف تجربات اور فکری روایتوں کے درمیان مکالمے سے نئی معنویت حاصل کرتا رہتا ہے۔

زیرِ نظر شمارے میں شامل اردو کے مقالات، مضامین اور ترجمے ادب، تاریخ، ابلاغ اور تحقیق کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔ پروفیسر ناصر عباس نیر نے سلطان غلام باہو کے خطوط کو نوآبادیاتی نظام کے خلاف مزاحمت اور شناخت کے تناظر میں دیکھا ہے۔ نوآبادیات کے تصور اور ہندوستانی اہلِ علم اور صوفیا کرام کے ردِعمل کا جائزہ لیتے ہوئے انھوں نے ان خطوط کی فکری معنویت کو وسیع تاریخی اور تہذیبی پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اس مطالعے سے صوفیانہ فکر، شناخت اور استعماری اقتدار کے باہمی رشتوں پر غور و فکر کے نئے امکانات بھی پیدا ہوتے ہیں۔

پروفیسر امینہ تحسین کا مقالہ اردو کے معاصر نسائی ادب میں عورت کی شناخت کے مسئلے کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ پیش کرتا ہے۔ نظم و نثر کی منتخب مثالوں کی روشنی میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ خواتین کا تخلیقی اظہار پدرسری نظام، صنفی امتیاز اور مروجہ سماجی و ثقافتی تصورات سے کس نوعیت کا مکالمہ قائم کرتا ہے۔ مقالے میں بطورِ خاص اس امر کا جائزہ لیا گیا ہے کہ اکیسویں صدی کے بدلتے ہوئے سماجی تناظر میں نسائی شعور نے کس طرح عورت کے انفرادی وجود، خودآگہی اور شناخت کی تشکیلِ نو کے مباحث کو وسعت عطا کی ہے۔

پروفیسر عتیق اللہ کی غزلوں میں معنی کی کثرت اور تہداری قاری کے لیے تعبیر کے نئے امکانات پیدا کرتی ہے۔ ڈاکٹر مشتاق صدف کا استدلال ہے کہ ان کی غزلوں میں آزادیِ متن اس طرح نمایاں ہے کہ یہ خود شاعر کے لیے بھی قرأت اور تفہیم کا ایک نیا تجربہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

اردو ادب میں نو آبادیاتی جبر کے خلاف مزاحمت کی آوازیں کبھی براہ راست سیاسی احتجاج، کبھی حب وطن اور قومی بیداری، اور کبھی طنز، علامت اور تہذیبی زوال کے اظہار کی صورت میں بلند ہوتی رہی ہیں۔ ڈاکٹر یاسمین رشیدی نے اردو صحافت اور شاعری سے منتخب مثالوں کی روشنی میں یہ واضح کیا ہے کہ اس مزاحمتی روایت کو محض انگریز حکومت کے خلاف احتجاج تک محدود نہیں کیا جا سکتا؛ اس میں قومی شناخت، تہذیبی ورثے اور زبان کے تحفظ کا جذبہ بھی شامل ہے۔

ڈاکٹر عمر فرحت نے شبنم عشائی کی شاعری کے مطالعے میں ذات، تنہائی، خواب اور گرد و غبار کی علامتی معنویت کو نمایاں کیا ہے۔ ان کے نزدیک شاعرہ کے یہاں خاموشی محض عدم اظہار نہیں، بلکہ ایک ایسی شعری قوت ہے جو انسانی وجود کی پیچیدگیوں کو زبان عطا کرتی ہے۔ حذف، معنوی تکرار اور غیر خطی طرز اظہار جیسے فنی وسائل کے ذریعے عشائی ایک ایسی داخلی شعری کائنات تخلیق کرتی ہیں جہاں ان کہی باتیں بھی معنی کا مؤثر وسیلہ بن جاتی ہیں۔

ڈاکٹر رؤف خیر کا مضمون جامعات میں ڈاکٹریٹ کی تحقیق کے روبہ زوال معیار پر ایک اہم تبصرہ ہے۔ انھوں نے سیماب اکبر آبادی اور علامہ اقبال پر لکھی گئی ایک تھیسس کا تبصراتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ تحقیقی معیار کے زوال پر رؤف خیر کی یہ تحریر علمی دیانت، تحقیقی اصالت اور ادارہ جاتی ذمہ داری کے بنیادی مسائل کو اجاگر کرتی ہے۔

سہیل محمود نے مارشل مکلوہن کی تحریروں کے غیر روایتی اور پیچیدہ اسلوب کو موضوع بنایا ہے۔ مکلوہن کے خیالات جتنے غیر معمولی ہیں، ان کا طرز اظہار بھی اتنا ہی دشوار فہم رہا ہے۔ ان کی نثر کے بارے میں مختلف ناقدین کے اعتراضات اور ان کی تصانیف کی مثالوں کے ذریعے مقالے میں اس پہلو کو پیش نظر رکھا گیا ہے کہ اسلوب کی پیچیدگی کسی مفکر کے خیالات کی تفہیم اور ابلاغ کو کس طرح متاثر کرتی ہے۔ یوں اس سے فکری جدت اور اس کے اظہار کے درمیان تعلق کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

کلیم الدین احمد نے اکبر الٰہ آبادی کی شاعری کے مطالعے میں کئی بنیادی نکات پیش کیے ہیں جو مطالعۂ اکبر میں اولیات کا درجہ رکھتے ہیں۔ پروفیسر سرور الہدیٰ کا استدلال ہے کہ ان کے نزدیک اکبر کی

شاعری کو محض تاریخی دستاویز یا طنزیہ کلام سمجھنے کے بجائے اس کے تخلیقی اور فکری تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ وہ طنز اور تخلیق کو ایک دوسرے سے مربوط سمجھتے ہیں اور اکبر کی تہذیبی بصیرت، روایت سے وابستگی اور ذہنی غلامی کے خلاف مزاحمت کو نمایاں کرتے ہیں۔ کلیم الدین احمد نے اکبر کی شاعری میں سنجیدگی کے فقدان اور زندگی کے گہرے تجربات کی ترجمانی سے اس کی محرومی کے تصور کو بھی چیلنج کیا۔ اس طرح انھوں نے اکبر کی شاعری کو سمجھنے کے لیے ایک نئی تنقیدی جہت فراہم کی۔

۲۰۱۹ء میں اردو اسٹڈیز کے آغاز کے پس پردہ یہ تصور کارفرما تھا کہ اردو زبان و ادب، تہذیب و ثقافت اور متعلقہ علمی و تحقیقی مباحث پر معیاری تحریریں بلا معاوضہ شائع ہوں اور دنیا بھر کے قارئین ان سے آزادانہ استفادہ کر سکیں۔ پروفیسر فاطمہ رضوی، شعبۂ انگریزی، لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ، اور خاکسار جریدے کی اشاعت کے تمام مراحل انجام دیتے ہیں۔ ہر شمارے کی تیاری میں سرمایہ، وقت، محنت، اور مدیروں کی مسلسل توجہ درکار ہوتی ہے۔ انھی تقاضوں کے پیش نظر کبھی کبھی اس کی اشاعت موقوف کرنے کا خیال بھی آیا۔ اردو اسٹڈیز کے مقالے اور دیگر اجزا طے شدہ تصورات کو ازسرنو جانچنے، نظرانداز شدہ معنوی جہات کو دریافت کرنے اور علمی و ادبی رویوں کا تنقیدی محاسبہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ امید ہے کہ یہ تحریریں قارئین کے فہم کو وسعت دینے کے ساتھ نئے سوالات، سنجیدہ مکالموں اور بامعنی علمی جستجو کے لیے بھی راہیں ہموار کریں گی۔

ہم اپنے تمام قلمی معاونین کے شکر گزار ہیں، جن کی تحریروں، اعتماد اور محبت نے اردو اسٹڈیز کو ایک وقار بخشا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ یہ تعلق برقرار رہے اور اردو کے عالمی سرمایے میں ہمارا مشترکہ حصہ فروغ پاتا رہے۔ ہم اس شمارے کے تمام قلمی معاونین، مشاورتی بورڈ کے معزز ارکان، اور بالخصوص پروفیسر فاطمہ رضوی کے شکر گزار ہیں۔ ان کی علمی سرپرستی، گراں قدر آرا اور تعاون سے اردو اسٹڈیز کے سفر کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔